JOURNAL OF ACADEMIC RESEARCH FOR HUMANITIES
ISSN 2663-192x

Journal of Academic Research for Humanities (JARH) Vol. 2, No. 1 (2020)

# ”رفاہی اداروں میں زکوٰۃ کا استعمال“ ضرورت اور درست طریقہ کار

# "Use of Zakat in Charities" Necessity and Correct Procedure

Published online: 30-12-2020

Single Author
**Asim Ail Khan**
Research Scholar
University of Karachi, Karachi
*(Pakistan)*
Email: asimalikhan003@gmail.com
ORCID: https://orcid.org/0000-0002-7031-3673

CORRESPONDING AUTHOR
**Asim Ail Khan**
Research Scholar
University of Karachi, Karachi
*(Pakistan)*
Email: asimalikhan003@gmail.com
ORCID: https://orcid.org/0000-0002-7031-3673

## Abstract

*Zakat is one of five Islamic pillars. It is the base of the Islamic economy structure and fundamental order. Like every important order, some rules and regulations have been fixed by the sharia law. Zakat payment is not valid without following these rules. Many organizations present in our society, who receive zakat, to help poor people and -according to their views- they use zakat in its correct place, but this concept is not enough to fulfil pay of zakat. It is also important to follow the sharia principles. To decide the actual status of the institution is very imperative to determine whether the institution is using Zakat correctly or not that. There are some different theories about this status as sharia point of view.*

## Key words:

*Zakat, Charities, Necessity of Zakat, Procedure of Zakat, Government Zakat Institutions*

## تعارف:

اللہ کے تمام احکام کی پابندی بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے ہم سب پر ضروری ہے، اور نہ صرف اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو پورا کرنا ضروری ہے بلکہ صحیح طریقے سے پورا کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ ان احکام کی بجا آوری اور دین کی سمجھ در حقیقت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو خوشدلی اور صحیح نہج پر ادا کرنے کی کوشش کی جائے، محض سَر سے بوجھ اتار دینا ایک سچے مسلمان کی شان نہیں، اسلام کے بنیادی احکام میں سے ایک حکم زکوٰۃ کا ہے۔ یہ کوئی مالی تاوان ہے نہ شریعت کی طرف سے کوئی سزا بلکہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے ایک بہت قلیل مقدار اپنے بھائیوں کو دینا ہے جس کا فائدہ بھی انجام کار باقی مال کی حفاظت، برکت اور ثوابِ اخروی کی صورت میں خود دینے والے کو ہی ہوتا ہے۔ دیگر احکام کی طرح یہاں بھی ضروری ہے کہ اس کی ادائیگی دلی رضامندی اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کی جائے ورنہ "نیکی برباد گناہ لازم" کا مصداق بن جاتا ہے۔

## تحقیق بوقت ادائیگی مصرف:

اس کے متعلقہ احکام میں سے ایک صحیح جگہ کی ادائیگی بھی ہے۔ مصرف کی تحقیق کئے بغیر ادا کر دینا جہاں دین سے بے توجہی اور احکام الٰہیہ کو اہمیت نہ دینے کی علامت ہے وہیں بعض صورتوں میں شرعاً ادائیگی بھی نہیں ہوتی۔ (محمد، 276، 786)۔ اور اس غفلت کی ایک بڑی وجہ ہمارے معاشرے میں پائی جانے والی یہ غلط فہمی ہے کہ ہر نیک کام اور ثواب کے کام کو مصرف سمجھ لیتے ہیں نتیجہ یہ کہ رقم کی ایک بہت بڑی مقدار ادا کر دینے کے باوجود آدمی کے ذمہ زکوٰۃ باقی رہ جاتی ہے اور اس کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ اگرچہ یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ شریعت ظاہر کی مکلف ہے، اور کسی کے مالی حالات کی پوری تحقیق اور جانچ پڑتال کرنے کے ہم مکلف نہیں بلکہ اپنی سی تحقیق اور غور فکر کے بعد غالب گمان اس کے استحقاق کا ہو جائے تو بھی اس کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جاتی ہے چاہے وہ فی نفسہٖ حقدار نہ بھی ہو، (محمد، 1993، 169)، لیکن اس کے ظاہر احوال میں غور کرنا اور پھر غالب گمان اس کے مستحق ہونے کا ہو جائے یہ سب باتیں ضروری ہیں۔ (علی، 593، 112)

اس کو مثال سے یوں سمجھیں کہ نماز میں قبلہ رُخ ہونا شرط ہے بغیر قبلہ رُخ ہوئے نماز درست نہ ہوگی، اب اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہے جہاں قبلہ معلوم کرنے کی کوئی صورت ممکن نہیں مثلاً کسی جنگل دریا یا صحراء وغیرہ میں ہو تو ایسی صورت میں اس پر لازم ہے کہ غور وفکر کرے اور پھر جس طرف دل زیادہ مانے اسی طرف نماز پڑھ لے، پھر بعد میں اگر معلوم ہو بھی جائے کہ قبلہ درست نہیں تھا تو بھی نماز ہو گئی دوہرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس وقت اس کے بس میں جو کچھ تھا وہ اس نے کیا۔ برخلاف اس کے کہ اس نے غور وفکر ہی نہیں کیا اور کسی بھی طرف منہ کرکے نماز پڑھ لی تو اس صورت میں اگر صحیح سمت نماز پڑھی تب تو ادا ہو جائیگی لیکن اگر غلط سمت رخ کیا تو نماز نہ ہوگی کیونکہ وہ تحری (غور وفکر) کرنے کا مکلف تھا جو کہ اس نے نہیں کیا۔ (ابو بکر، 1322، 49)

یہی معاملہ زکوٰۃ کا بھی ہے کہ جس کو دی جائے اس کے بارے میں دیکھ بھال کرلی جائے کہ آیا وہ زکوٰۃ لینے کا اہل ہے بھی کہ نہیں، اگر یہ تحقیق نہ کی حالانکہ معاملہ مشکوک تھا، اور وہ شخص فی الواقع مستحق نہیں تھا تو ادائیگی حسبِ سابق ذمہ میں باقی رہے گی، اور اگر اسی شخص کو زکوٰۃ دیتے وقت غور فکر کیا گیا اور غالب گمان کے مطابق دی تو ادا ہو جائیگی۔ کما مر اٰنفاً۔

## تحقیق بوقت ادائیگی ادارہ:

ٹھیک اسی طرح کسی رفاہی ادارے کو زکوٰۃ دیتے ہوئے ادارے کے بارے میں اطمینان کر لینے کا بھی یہی حکم ہے، اگر اپنے طور پر اُس رفاہی ادارے کے بارے میں اطمینان کر لینے کے بعد ادا کی تو فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو گئے لیکن اگر بلا کسی تحقیق و تفتیش کے زکوٰۃ حوالے کر دی جبکہ اُس ادارے میں زکوٰۃ کے استعمال میں احتیاط نہیں کی جاتی اور شرعی اصول کا پاس نہیں رکھا جاتا تو خواہ وہ ادارہ یہ مال کتنے ہی نیک کام میں خرچ کرے ادائیگی کا فرض ذمہ میں باقی رہیگا۔

بالخصوص جبکہ افراد کی بنسبت ادارے کے بارے میں یہ تحقیق کرنا کافی آسان ہے، یہاں نہ عزّتِ نفس کا سوال ہے نہ قرابت داری کا خیال مانع ہے، بلا کسی جھجھک کے ادارے کے ذمہ دار افراد سے تحقیق کر کے اطمینانِ قلب حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی شخص کا مالدار یا غریب ہونا ایک ایسی چیز ہے جو یقینی طور پر نہیں جانی جاسکتی، ممکن ہے کہ وہ ظاہر کرے کہ وہ مستحق ہے حالانکہ فی نفسہٖ وہ شرعاً مستحق نہ ہو، یا اس کے برعکس وہ ظاہر کرے کہ وہ غنی ہے جبکہ شریعت کی نظر میں وہ زکوٰۃ لے سکتا ہو۔ جبکہ ادارے کے بارے میں یہ جاننا کہ زکوٰۃ کے استعمال کا کیا طریقہ کار ہے یہ ایسی کوئی مخفی چیز نہیں کہ جس کی جانچ پڑتال نہ کی جاسکتی ہو۔ لہذا یہاں وہ رعایت بھی نہیں ہوگی کہ اپنے گمان سے کام لے لیا تو کافی ہے، کیونکہ اوپر مذکور نماز کے مسئلہ میں بھی تحری کا اعتبار تبھی ہوتا ہے جب کوئی اور ذریعہ معلوم کرنے کا نہ ہو۔ (محمد، 189، 16)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جس کسی فرد یا ادارے کو زکوٰۃ دی جائے تو اس کے بارے میں پہلے دلی اطمینان کر لینا شرعاً ضروری ہے، نیز افراد کی بنسبت ادارے کے بارے میں تحقیق چونکہ آسان ہے اس لئے کسی ادارے کو دیتے وقت پہلے اطمینان حاصل کرنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

## رفاہی اداروں میں ایک عمومی غلط فہمی:

عام طور سے زکوٰۃ دینے والا اس بات پر غور نہیں کرتا کہ یہ ادارہ شرعی احکام کی پابندی کس درجہ کرتا ہے، دینی احکام کو کس درجہ اہمیت دیتا ہے بلکہ محض اس کے ظاہری کاموں کو دیکھا جاتا ہے کہ لوگوں کے کام آرہا ہے یا نہیں، حالانکہ اس کی ادائیگی کا معیار شریعت نے خود متعین کیا ہے اس کی رعایت کے بغیر کتنے ہی اچھے کام میں پیسہ کیوں نہ لگا دیا جائے یہ ادا نہیں ہوتی۔ مثلاً حرم مکی میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، (محمد، 273، 451)۔ لیکن حج کے موقع پر حکم یہ ہے کہ حرم چھوڑو اور میدانِ عرفات یا منیٰ، مزدلفہ وغیرہ میں جا بیٹھو۔ اب اگر ظاہری اعتبار سے دیکھا جائے کہ حرم چھوڑ کر ایک خالی میدان جانے کی بجائے دورانِ حج خانہ کعبہ کے سامنے بہت عاجزی کے ساتھ عبادت کی جانی چاہئے تو ثواب تو کجا الٹا گناہ گار ہوگا۔ اور فریضۂ حج بھی جاتا رہے۔ (علی، 2004، 263) گا۔ کیونکہ بندگی کا قاعدہ یہ ہے کہ رب کی مرضی ومنشاء کو مدِ نظر رکھا جائے نہ یہ کہ ظاہری اعتبار سے کیا چیز بہتر معلوم ہوتی ہے۔ (محمد، 1426، 319)

مذکورہ بالا مسئلہ کے حل کیلئے پہلے یہ بات متعین کرنا بہت ضروری اور اہم ہے کہ جو رفاہی ادارہ زکوٰۃ وصول کر رہا ہے شرعی لحاظ سے اس کی تکییف کیا ہوگی۔ کیونکہ جب تک تکییف نہ کی جائے تو اس سے متعلق احکام اس پر لاگو کرنا ممکن نہیں۔ جیسے طب کی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ مرض کی تشخیص کے بغیر علاج ممکن نہیں ایسے ہی رفاہی اداروں کی حیثیت طے کئے بغیر ان پر شرعی احکام لگانا ممکن نہیں۔

**شرعی تکییف ہر عقد (contract) میں ضروری ہے:**

یہ بات صرف زکوٰۃ سے متعلق نہیں بلکہ ہر معاملہ اور عقد میں شرعی تکییف ضروری ہے، ہمارے معاشرے میں اس لحاظ سے بھی کافی غفلت ہے، اکثر لوگ اموال یا چیزوں کا لین دین کرتے ہوئے کوئی بات طے نہیں کرتے معاملہ کو مجہول و موہوم چھوڑ دیتے ہیں اور بعد میں اس پر جھگڑتے ہیں اسی پہلو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خود دینِ اسلام نے ایسے معاملات کو ناجائز قرار دیا ہے، جہاں جہالت کی وجہ سے جھگڑے کا اندیشہ ہو۔ (محمد، 786، 261)۔ مثلاً خرید و فروخت کرتے ہوئے ثمن (قیمتِ خرید) طے نہ کی جائے یا اگر ثمن ادھار ہے تو کتنی مدت کے بعد دینا پڑیگی، یا کرایہ کا کوئی معاملہ کیا اور کرایہ طے نہیں کیا یا مدت طے نہیں کی تو ان تمام صورتوں کو اسلام نے ناجائز کہا ہے اور وجہ سب میں ایک ہی ہے کہ بعد میں جھگڑے کا اندیشہ ہے۔ (محمد، 885، 155)

ڈاکٹر حضرات کے درمیان اور کئی مواقع پر علماء حضرات کا اختلاف اسی شرعی تکییف اور مرض کی تشخیص میں اختلاف کا نتیجہ ہوتا ہے، مثلاً بعض علماء نے ڈیجٹل تصویر میں گنجائش بتائی جبکہ علماء ہی کی ایک جماعت کے نزدیک یہ حرام ہے، تو اصل اختلاف تصویر کی حرمت میں نہیں کیونکہ تصویر کی حرمت تو نصِ قطعی سے ثابت ہے اس میں کسی اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ (زین الدین، 970، 29) اصل اختلاف اس بات میں ہے کہ یہ تصویر ہے یا نہیں۔ تفصیل کیلئے تبویب دار العلوم کراچی ملاحظہ فرمائیے۔ (محمد تقی، 23 ربیع الثانی 1427)۔ اسی طرح ایک ہی مریض دو ڈاکٹرز کے پاس جاتا ہے اور دونوں بالکل الگ الگ دوا تجویز کرتے ہیں تو اصل اختلاف اس بات میں نہیں ہوتا کہ کس مرض کی کیا دوا ہے وہ تو سب کو مسلّم ہے اصل اختلاف اس بات میں ہوتا ہے کہ یہ بیماری ہے کونسی۔

**خلاصہ**: یہ کہ اداروں کے زکوٰۃ وصول کرنے کے مسئلے میں کوئی بھی حکم لگانے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس سارے عمل میں شرعی لحاظ سے ادارے کا کردار کیا ہے۔

**رفاہی ادارہ نہ تو معطی ہے نہ مستحق:**

عربی زبان میں زکوٰۃ دینے والے کو معطی (دینے والا) اور جس کو دی جارہی ہے اس کو اٰخذ (لینے والا) کہتے ہیں۔ اب رفاہی ادارہ دو طرح کے کام کر رہا ہوتا ہے، ایک طرف سے زکوٰۃ وصول کرتا ہے اور دوسری طرف استعمال کرتا ہے۔ چونکہ اصلاً دینے والا ادارہ نہیں بلکہ وہ مالدار آدمی ہے جس نے ادارے کو زکوٰۃ دی ہے اس لئے معطی وہ مالدار شخص کہلائیگا جس نے ادارے کو وہ دی ہے، خود ادارہ کو اصل معطی نہیں کہہ سکتے، اسی طرح کوئی بھی رفاہی ادارہ بذاتِ خود مستحق نہیں کیونکہ یہ قرآن

یہی معاملہ یہاں بھی ہے، جیسے کسی علاقے میں پانی کی قلت تھی وہاں کسی نے کنواں کھدوادیا یا کہیں سڑک بنوادی یا مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا یہ سارے کام باوجود بہت زیادہ ثواب کے حامل ہونے کے مصرف نہیں بن سکتے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ جو ادارے شرعی احکام کو خاطر میں لائے بغیر محض اپنی عقل کے بھروسہ رفاہی کام کرنے میں مصروف ہوں بعض اوقات انسانی عقل کے ناقص ہونے کے سبب گناہ کا شکار ہو جاتے ہیں، انہی کے بارے میں قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: {عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ (3) تَصْلَى نَارًا حَامِيَةً (4)} (القرآن، 88:3،4) ترجمہ: یعنی بروز قیامت ایسے چہرے ہونگے جو کام کر کر کے تھک ہو گئے ہونگے (پھر بھی) بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہونگے۔ اسی طرح کچھ ادارے ایسے ہیں جو لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں کہ وہ اپنے اعضاء مرنے کے بعد دوسرے معذور افراد کیلئے تحفۃً دے دیں، جس کو اعضاء کی پیوند کاری کہا جاتا ہے، حالانکہ شریعت کی رو سے ہمارے اعضاء ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ (محمد، 1971، 128)۔ ان کو اس طرح وقف کرنا اور اس کی باقاعدہ ترغیب دینا بغیر شرعی نزاکتوں کا خیال رکھے ایک غیر شرعی عمل ہے۔ (لجنۃ العلماء، 1310، 338) اسی طرح اعلیٰ تعلیم کے نام پر یہود و نصاریٰ کے مذہبی خیالات یا بے حیائی کو باقاعدہ نظام تعلیم کا حصہ بنانے والے اداروں کی موجودگی سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، اس قسم کے ادارے بعض اوقات اسکالرشپ یا نادار بچوں سے ہمدردی کرتے ہوئے مفت تعلیم کا انتظام کرتے ہیں اور کئی سارے لوگ نیکی کے جذبے کے ساتھ ان سے تعاون بھی کرتے ہیں۔ اس قسم کی صورتحال میں جہاں ان اداروں کے ذمہ دار افراد دینی بے راہ روی کا شکار ہونے کی وجہ سے گناہ گار ہوتے ہیں وہیں ان سے تعاون کرنے والے بھی گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ قرآن کریم فرقانِ حمید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: {وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ} (القرآن، 2:5) ترجمہ۔ اور گناہ اور دشمنی کے کاموں میں باہمی تعاون نہ کیا کرو۔ اور ڈرو اللہ سے کہ وہ بے شک زبردست پکڑ والا ہے۔

**حاصل:**

یہ کہ جس ادارے کے ساتھ تعاون کا ارادہ ہو تو اس کے صرف ظاہری کاموں پر مطمئن نہ ہو جائیں بلکہ اس کا بھی یقین کر لیں کہ ادارے کے ذمہ دار افراد دین کی پاسداری کا بھی کسی درجہ خیال کرتے ہیں کہ نہیں؟ بالخصوص زکوٰۃ کی ادائیگی میں اس کی رعایت بہت ضروری ہے کہ کہیں اپنے ذمہ سے ساقط بھی نہ ہو اور احساس بھی نہ ہو۔

**احکامات بابت ادارہ جات زکواۃ وصولی:**

کسی بھی ادارے کے زکوٰۃ لینے کے بارے میں صحیح یا غلط کا فیصلہ کرنے سے پہلے اس ادارے میں رائج نظام کو جاننا ضروری ہے۔ اسلام نے مختلف عقود (contracts) کیلئے مختلف شرائط (conditions) بیان کی ہیں۔ ادارے کا زکوٰۃ لینا کس عقد کے تحت آتا ہے اور ادارے کی حیثیت شرعاً کیا ہوگی اس بات کی تعیین کرنے کو شرعی تکییف کہا جاتا ہے۔ (رواس، 1988، 143)

**اداروں کی شرعی تکییف:**

خرید) کے مطالبے کا حق خود اس وکیل کو ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر اس چیز میں کوئی عیب نکل آیا تو مشتری (خریدار) اس وکیل کو پکڑے گا اور اسی سے ثمن کی واپسی کا مطالبہ کریگا (علی، 593، 197)۔

اس کا حکم یہ ہے کہ ایک شخص دو طرف سے وکیل نہیں بن سکتا۔ ورنہ مطالِب (مطالبہ کرنے والا) اور مطالَب (جس سے مطالبہ کیا جائے) ایک شخص ہو جائیگا۔

اب سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اور وصولیابی کا وکیل بنانا کس قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ بظاہر اس کا تعلق قسم اول سے ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق اصل اور معطی سے ہوتا ہے نہ کہ وکیل سے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر وکیل اپنے والد یا بیٹے کو دے جبکہ وہ مستحق بھی ہو تو ادا ہو جاتی ہے (ابو بکر، 1322، 115)۔ اور اگر مؤکل اور معطی کے باپ، بیٹے یا کسی ایسے ہی رشتہ دار کو دے تو ادا نہیں ہوتی۔ (علی، 593، 112) ۔اس تفصیل سے تو یہ سمجھ آتا ہے کہ زکوٰۃ کا وکیل بنانا قسم اول سے ہے اور ایک ہی آدمی لینے اور دینے دونوں طرف سے وکیل بن سکتا ہے۔ لہٰذا یہاں یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ زکوٰۃ کا وکیل بنانا قسم ثانی سے ہے ورنہ مذکورہ بالا خرابی لازم آئیگی۔ اور یہ طے کرنا ناممکن ہو جائیگا کہ ادائیگی کس لمحہ ہوئی۔ اور جو دلیل اشکال میں ذکر کی گئی ہے اس میں دو امور قابلِ غور ہیں۔

### امر اول:

پہلی بات یہ کہ زکوٰۃ دینا اور لینا دو فعل حسی (physical act) ہیں۔ ایک فعل کو دو قرار دینا عقلاً ممکن نہیں کہ ایک چیز جو سامنے ایک نظر آرہی ہو اس کو دو قرار دے دیا جائے۔ برخلاف نکاح میں دو طرف سے وکیل بننے کے کیونکہ وہاں الفاظ کی ادائیگی ہوتی ہے۔ ایک جملہ کو دو لوگوں کی طرف منسوب کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ قول کوئی حسی فعل نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک معنوی (assumed) چیز ہے۔

### امر ثانی:

دوسری بات یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ زکوٰۃ والد اور بیٹے کو دینا اس بات کا تعلق مصارف سے ہے عقد کے حقوق سے نہیں (محمود، 2000، 187)۔ عقد کے حقوق سے مراد تسلیم تسلم اور مطالبہ کا حق حاصل ہونا (ابو بکر، 1322، 300)، عیب کی صورت میں جھگڑے کا حق ہونا وغیرہ مراد ہے۔ (محمد، 1994، 36) و (محمد،، 1993 213)۔ لہٰذا مصرف کی بنیاد پر اس کو عقد کی دوسری قسم میں شمار کرنا درست نہیں۔ بالخصوص جبکہ اس میں یہ خرابی بھی لازم آئیگی جو دوسری قسم کے عقود میں آتی ہے کہ مسلّم (تسلیم کرنے والا) اور متسلّم (جس کو تسلیم کیا جائے) ایک ہو جائینگے۔

خلاصہ یہ کہ اس معاملہ میں ایک آدمی دو طرف سے وکیل نہیں بن سکتا۔ اب یہ طے کرنا باقی رہ جاتا ہے کہ اگر دونوں کی طرف سے وکیل نہیں ہے تو کس کی طرف سے وکیل ہے؟ اس بات کا دارومدار اس ادارے کے طریقہ کار پر منحصر ہے، کیونکہ یہ دونوں صورتیں جائز بھی ہیں اور ہمارے معاشرے میں رائج بھی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کافی سارے ادارے اس بات کو باقاعدہ طے نہیں کرتے مگر یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ عقود (معاملات) میں اعتبار معانی (اصل معاملہ) کا ہے نہ کہ الفاظ کا۔ (محمد،، 1993 146)۔ لہٰذا ہر ادارہ یا تو لینے والوں کی طرف سے وکیل بن کر زکوٰۃ وصول کرتا ہے یا معطی کی طرف سے وکیل بن کر خرچ کرتا ہے۔ خواہ اس بات کی صراحت ادارے کی طرف سے کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو۔

کریم میں بیان کردہ آٹھ مصارف میں سے نہیں ہے اس لئے اس کو آخذ (زکوٰۃ لینے والا) بھی نہیں کہہ سکتے۔ لہٰذا اتنی بات تو طے ہے کہ ادارہ اصالۃً تو معطی ہے نہ آخذ۔

### ادارہ کی حیثیت:

بلکہ ادارہ زکوٰۃ دینے والے کی طرف سے نائب بن کر مستحقین کو دے رہا ہوتا ہے یا پھر ان کی طرف سے نائب بن کر وصول کر رہا ہوتا ہے۔ اس معنٰی کا اعتبار کرتے ہوئے گویا کہ ادارہ کا زکوٰۃ لینا اور استعمال کرنا ایک وکیل اور نمائندہ محض کی حیثیت سے ہے، کیونکہ وکیل اور نمائندہ کی تعریف یہی ہے۔ (محمد، 786، 499)

### ادارہ کی نمائندگی۔ معطی کا یا آخذ کا؟

اس کی عقلاً تین صورتیں ممکن ہیں۔ اول یہ کہ ادارہ دونوں کی طرف سے وکیل ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ صرف معطی کی طرف سے وکیل ہو، اور تیسری صورت یہ ہے کہ محض آخذ کی طرف سے وکیل اور نمائندہ ہو۔

**اول صورت:** اول صورت شرعاً ممکن نہیں کیونکہ ایک ہی شخص ایک رقم کے بارے میں بیک وقت لینے والے اور دینے والے کا نمائندہ اور وکیل نہیں بن سکتا۔ (محمد، 861، 307) و (ابو بکر، 1986، 232)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ دونوں کی طرف سے نمائندہ سمجھا جائے تو جس وقت زکوٰۃ کا پیسہ اس کے ہاتھ میں آئیگا تو چونکہ یہ دینے والے کا بھی وکیل فرض کیا گیا ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور دوسری طرف لینے والے کا بھی وکیل ہے اور وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ ہوتا ہے۔ (محمد، 1993، 39) اس لحاظ سے اس کے ہاتھ میں آتے ہی ادا ہو گئی۔ (محمد، 1993، 171) تو درمیان میں کوئی ایسا لمحہ نہیں آیا کہ جس میں ہم کہہ سکیں کہ اس وقت زکوٰۃ ادا ہوئی ہے۔ (ابو بکر، 1986، 39)

یہاں پر ممکن ہے کہ اشکال کیا جائے کہ فقہائے کرام نے وہ عقود (contracts) جو وکیل کے ذریعے کیے جائیں ان کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

### پہلی قسم:

پہلی قسم ان عقود کی ہے جن میں وکیل کی حیثیت محض سفیر کی ہوتی ہے، اور اس عقد سے متعلق تمام حقوق اصل اور مؤکل کی طرف لوٹتے ہیں۔ جیسے نکاح مثلاً کوئی شخص دوسرے کی طرف سے نکاح کا وکیل بن جائے تو لڑکے کا وکیل ہونے کی صورت میں مہر کا مطالبہ خود اصل یعنی دولہا سے کیا جائیگا وکیل سے نہیں (محمود، 2004، 36)۔ اسی طرح اگر وکیل لڑکی کی طرف سے ہو تو رخصتی کا مطالبہ خود لڑکی اور اس کے گھر والوں سے کیا جائیگا، شرعاً وکیل سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ (زین الدین، 970، 152) اس قسم کے عقود میں وکیل کیونکہ محض سفیر ہوتا ہے لہٰذا ایک ہی شخص دو طرف سے وکیل بن سکتا ہے۔ یعنی لڑکا اور لڑکی دونوں چاہیں تو ایک ہی شخص کو وکیل بنا سکتے ہیں۔ (عثمان، 1313، 96)

### دوسری قسم:

دوسری قسم ان عقود کی ہے جہاں اس معاملہ سے متعلق حقوق خود وکیل کی طرف لوٹتے ہیں۔ جیسے خرید و فروخت (محمد، 1993، 18) مثلاً ایک شخص کسی کو اپنی چیز بیچنے کا وکیل بناتا ہے تو ثمن (قیمتِ

### دوسری صورت-ادارہ اگر معطی کا نمائندہ ہو:

اس صورت میں کیونکہ وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ ہوتا ہے لہذا یہی سمجھا جائیگا کہ جب تک زکوٰۃ کی رقم یا اشیاء ادارے کے قبضے میں ہیں گویا وہ خود معطی کے قبضہ میں ہیں، اور ابھی تک زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ جب یہ رقم یا چیز مالکانہ حقوق کے ساتھ حوالے کی جائیگی تب ادا ہوگی اور وہ اس کا مالک بن جائیگا۔ اس طریقہ کار میں یہاں تک زیادہ تفصیل نہیں اور معاملہ بالکل واضح ہے۔ تاہم اس طریقہ کار میں کچھ شرائط اور تفاصیل ہیں جن کے بیان کا یہ محل نہیں ہے، ان کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے۔

تیسری صورت-ادارہ اگر آخذ کا نمائندہ ہو:

اس صورت میں مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق جیسے ہی ادارے نے زکوٰۃ پر قبضہ کیا گویا کہ خود مستحق کا قبضہ پایا گیا، چنانچہ ادارے کے وصول کرتے ہی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ لیکن ملکیت ان مستحقین کی ہے جنہوں نے اس ادارے کو زکوٰۃ لینے کا وکیل بنایا تھا۔(محمد، ۲۹۴، ۱۳۰۶) ادارہ اب تک ان افراد کی طرف سے بطور امین کے قبضہ کرنے والا ہوگا۔ اور اس کو مالکانہ حقوق حاصل نہیں ہونگے۔(ابو بکر، 1986، 34)

### تملیک شدہ فنڈ میں ادارہ وکیل ہوگا یا مالک؟

اس کے بعد یا تو ادارہ ان کی ملکیت پر باقی رکھ کر بطور وکیل اس کو استعمال کرتا ہے اس صورت میں ادارہ کی حیثیت استعمال میں وکیل کی ہوتی ہے۔ یا پھر ادارہ اس رقم یا چیز کو اپنی ملکیت میں لے آتا ہے۔ اور پھر طے شدہ اصول کے مطابق مالک ہونے کی حیثیت سے اس کا استعمال کرتا ہے۔

### اول صورت:

جہاں ادارہ ان اموالِ زکوٰۃ کو افراد کی ملکیت پر باقی رکھ کر وکیل کی حیثیت سے تصرف کرتا ہے وہاں ان اداروں میں میراث اور زکوٰۃ کے مسائل متوجہ ہوتے ہیں، یعنی یہ اموال جن کی ملکیت پر باقی رکھے گئے ہیں اگر وہ اس سب کو ملا کر صاحبِ نصاب بن گیا تو سال گذرنے پر اس کو زکوٰۃ دینی ہوگی اور انتقال کے وقت جتنا روپیہ اس کے حصہ میں آئیگا وہ اس کی میراث بن جائیگا چاہے وہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ نیز اس رقم کے مالک ہونے کی وجہ سے صاحبِ نصاب ہونے کی بنیاد پر اس کی طرف سے مزید وصولی بھی درست نہیں ہوگی۔

### دوسری صورت:

یہ ہے کہ ادارہ خود مالک بن جاتا ہے، اور تملیک شدہ فنڈ کا استعمال مالک ہونے کی حیثیت سے کرتا ہے۔ پھر شرعاً ادارے کے مالک ہونے کی دو شکلیں ہیں، یا تو ادارہ مالک بن جائیگا وقف ہونے کی بنیاد پر یا پھر ادارہ مالک بنے گا شخص قانونی ہونے کی بنیاد پر۔

### حوالہ جات

البابرتی، محمد بن محمد، العنایۃ شرح الھدایۃ، دار الفکر، ج ۲،

السرخسي، محمد بن أحمد، ۱۹۹۳ء، المبسوط، مکتبہ دار المعرفۃ—بیروت، ج ٦،

برھان الدین، علي بن أبي بکر الفرغاني المرغیناني، الھدایۃ في شرح بدایۃ المبتدي، دار احیاء التراث العربي - بیروت، ج ۱،

ابن علی، أبو بکر، ۱۳۲۲ھ، الجوھرۃ النیرۃ، المطبعۃ الخیریۃ، ج ۱، ص ۴۹

الشیباني، أبو عبد اللہ محمد بن الحسن، الأصل المعروف بالمبسوط، إدارۃ القرآن والعلوم الإسلامیۃ کراتشي، ج ۳، ص ١٦

القزویني، ابن ماجۃ أبو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دار إحیاء الکتب العربیۃ، ج ۱،

الدارقطني، علي بن عمر البغدادي، ۲۰۰۴ء، سنن الدارقطني، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ج ۳،

العثیمین، محمد بن صالح، ۱۴۲٦ھ، شرح ریاض الصالحین، دار الوطن للنشر، الریاض، ج ۲،

السرخسي، محمد بن أحمد شمس الأئمۃ، ۱۹۷۱ء، شرح السیر الکبیر، الشرکۃ الشرقیۃ للإعلانات، ج ۱،

لجنۃ علماء برئاسۃ نظام الدین البلخي، ۱۳۱۰ھ، الفتاوی الھندیۃ، دار الفکر، ج ۵،

قلعجي، محمد رواس، ۱۹۸۸ء، معجم لغۃ الفقھاء، دار النفائس للطباعۃ والنشر والتوزیع، ج ۱،

البابرتی، العنایۃ شرح الھدایۃ، ج ٦،

خسرو، محمد بن فرامرز، درر الحکام شرح غرر الأحکام، دار إحیاء الکتب العربیۃ، ج ۲، ص ۱۵۵

ابن نجیم، زین الدین بن إبراھیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، دار الکتاب الإسلامي، ج ۲،

عثمانی، حضرت مفتی محمد تقی دامت برکاتھم، مؤرخہ: ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ، تبویب دار العلوم کراچی، فتویٰ نمبر ۸۷۸/۴۳

البابرتی، العنایۃ شرح الھدایۃ، ج ۷، ص ۴۹۹

ابن الھمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر، دار الفکر، ج ۳، ص ۳۰۷

کاسانی، أبو بکر بن مسعود، ۱۹۸٦ء، بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیۃ، ج ۲،

السرخسي، المبسوط، ج ۱۲، ص ۳۹

السرخسي، المبسوط، ج ۱۱، ص ۱۷۱

کاسانی، بدائع الصنائع، ج ٦، ص ۳۹

برھان الدین، محمود بن أحمد، ۲۰۰۴ء، المحیط البرھانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج ۳،

ابن نجیم، البحر الرائق، ج ۳، ص ۱۵۲

الزیلعي، عثمان بن علي، ۱۳۱۳ھ، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق وحاشیۃ الشِّلْبِيّ، المطبعۃ الکبری الأمیریۃ - بولاق، القاھرۃ، ج ۲، ص ٩٦

السرخسی، المبسوط، ج ۵، ص ۱۸

برہان الدین، الھدایۃ في شرح بدایۃ المبتدي، ج ۱، ص ۱۹۷

ابن علی، الجوھرۃ النیرۃ، ج ۱، ص ۱۱۵

برہان الدین، الھدایۃ، ج ۱، ص ۱۱۲

العینی، محمود بن أحمد، ۲۰۰۰ء، البنایۃ شرح الھدایۃ، دار الکتب العلمیۃ - بیروت، ج ۵،

ابن علی، الجوھرۃ النیرۃ، ج ۱، ص ۳۰۰

السمرقندي، محمد بن أحمد، ۱۹۹۴ء، تحفۃ الفقھاء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج ۲، ص ۳٦

سرخسی، المبسوط، ج ۱۱، ص ۲۱۳

سرخسی، المبسوط، ج ۷، ص ۱۴٦

ابن عابدین، علاء الدین محمد، قرہ عین الأخیار لتکملۃ رد المحتار علي «الدر المختار» (مطبوع بآخر رد المحتار)، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت—لبنان، ج ۸، ص ۲۹۴

کاسانی، بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع، ج ٦، ص ۳۴